مطالعۂ قرآن حکیم
ڈاکٹر اسرار احمد

سورۃ الانفال

(آیات ۵ – ۸)

اَحْمَدُہٗ وَاُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝
كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
لَكٰرِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى
الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا
لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ
يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ
الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝

"جیسے کہ نکال لایا تھا آپ کو (اے نبیؐ!) آپ کا ربّ آپ کے گھر سے ایک خاص مقصد کے ساتھ، درانحالیکہ مسلمانوں کا ایک گروہ اُسے ناپسند کر رہا تھا۔ وہ امرِ حق کے واضح ہو جانے کے بعد بھی آپ سے جھگڑتے رہے، جیسے کہ وہ آنکھوں دیکھتے موت کی جانب دھکیلے جا رہے ہوں۔ اور (اے مسلمانو!) ذرا یاد کرو، جب اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ دو گروہوں میں سے ایک پر تمہیں غلبہ عطا فرما دے گا، اور تم چاہتے تھے کہ تمہیں غیر مسلّح گروہ پر قابو حاصل ہو، جبکہ اللہ کی مرضی یہ تھی کہ وہ اپنے کلمات سے حق کا حق ہونا ثابت فرما دے اور کافروں کی جڑ کاٹ کر رکھ دے تاکہ مجرموں کی خواہشات کے علی الرغم حق کا بول بالا فرما دے اور باطل کو نیست و نابود کر دے۔"

اِن آیاتِ مبارکہ سے غزوۂ بدر کا واقعاتی بیان اور اس پر شہنشاہِ ارض و سماء کا شاہانہ تبصرہ شروع ہو رہا ہے ——— ویسے تو اِس کائنات میں جہاں بھی اور جب بھی کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے اختیار

مطلق اور حکمتِ کاملہ کے تحت ہی ہوتا ہے، لیکن بعض اوقات کسی واقعے کے ظہور میں متعدد مشیتیں جمع ہو جاتی ہیں اور غزوۂ بدر کا وقوع اس کی ایک نہایت نمایاں مثال ہے۔ چنانچہ ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ غزوۂ بدر کے وقوع کو کلیتہً اپنے ارادۂ کامل کا ظہور اور اپنی حکمتِ بالغہ کا اقتضاء قرار دے رہے ہیں، یعنی اے لوگو! یہ نہ سمجھو کہ غزوۂ بدر کوئی اتفاقی واقعہ تھا جو ایسے ہی ظہور میں آ گیا بلکہ اس کے لیے تو ہم نے خود ایک مقصدِ معیّن کے لیے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر سے نکلنے کا حکم دیا تھا۔ اور وہ مقصدِ معیّن تھا حق کا احقاق اور باطل کا ابطال یعنی یہ کہ دنیا دیکھ لے کہ تائیدِ ایزدی اور نصرتِ خداوندی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ ہے یا ان کے دشمنوں کے!! گویا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء کی پندرہ سالہ محنت و مشقت اور صبر و مصابرت کے فقید المثال مظاہرے پر رحمتِ خداوندی جوش میں آ گئی تھی اور جس سُنّتِ الٰہی کا ظہور تقریباً دو ہزار سال قبل بنی اسرائیل کے حق میں ہوا تھا کہ: وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ (یعنی ہم چاہتے تھے کہ ان لوگوں پر احسان فرمائیں جنھیں زمین میں کمزور بنا کر دبا لیا گیا تھا!) وہ اب مسلمانوں کے حق میں بھی ظاہر ہوا چاہتی تھی۔ گویا وہ نصرتِ الٰہی ظہور کے لیے بے تاب تھی جس کا وعدہ سورۃ الحج میں اذنِ قتال کے ساتھ ہی حد درجہ تاکیدی انداز میں ہوا تھا کہ:- وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ! (یعنی اللہ لازماً مدد کرے گا اُس کی جو اُس کی یعنی اس کے دین کی مدد کرے گا!)

چنانچہ غزوۂ بدر کا معاملہ اللہ کی اس حتمی و قطعی مشیّت کے تحت تھا لیکن اس کے عین مطابق و متوازی مشیّت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے مخلص اہلِ ایمان ساتھیوں کی، خواہ وہ مہاجرین میں سے تھے یا انصار میں سے! (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)۔ اس لیے کہ ہجرت کی حیثیت نعوذ باللہ من ذالک فرار کی نہ تھی کہ مکہ کی مشکلات سے نجات حاصل کر کے مدینے کی ٹھنڈی چھاؤں کو گوشۂ عافیت بنا لیا جائے بلکہ اس لیے تھی کہ مکے میں حالات کے انتہائی ناساز گار ہونے پر مدینہ منورہ کو دعوتِ اسلامی اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کی جدّوجُہد کے لیے دوسرا مرکز یا Alternate Base کی حیثیت دے دی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے پہنچتے ہی ایک طرف یہود کے ساتھ معاہدے کر کے اس مرکز یا Base کے استحکام کا بندوبست کر دیا اور دوسری طرف اہلِ مکہ کے تجارتی راستوں کو مخدوش بنا کر گویا جوابی کارروائی کا آغاز فرمایا۔ حاصل یہ کہ جس طرح بیعتِ رضوان کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے آنحضور

صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا اور خود غزوۂ بدر میں اسی سورۂ مبارکہ کی آیت ۱۷ کی رُو سے آنحضورؐ کے کنکریاں پھینکنے کو اپنا پھینکنا قرار دیا، اسی طرح یہاں مشیّتِ ایزدی اور مشیّتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسلام میں بھی کامل وحدت وموافقت موجود تھی۔ اور یہ یقیناً کوئی غیر معمولی بات نہ تھی، اس لیے کہ یہ تو ایمان اور بندہ و ربّ کے مابین صحیح تعلّق کا لازمی نتیجہ ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ غزوۂ بدر کے وقوع پذیر ہونے میں کفّارِ قریش، بالخصوص اُن کے تیز و تُند مزاج کے حامل سرداروں یعنی "Hawks" جیسے ابوجہل اور عقبہ بن ابی معیط وغیرہ کی خواہش بھی مشیّتِ ایزدی کے عین مطابق تھی، اگرچہ اُن کا مقصد بالکل برعکس تھا یعنی یہ کہ اس سے پہلے پہلے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینے میں قدم جمالیں اور اپنی پوزیشن کو مستحکم کرلیں، پوری طرح کیل کانٹے سے لیس ہو کر بھرپور حملہ کر دیا جائے اور بزعمِ خویش اِس "فتنے" کا قلع قمع کر دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ زبردست تیاری کے ساتھ نکلے اور چونکہ انہیں اپنی تعداد کی کثرت اور اسلحہ اور سازوسامان کی فراوانی کے پیشِ نظر اپنی فتح کا پورا یقین تھا، لہٰذا انہوں نے خود یومِ بدر کو پیشگی طور پر 'یَوْمُ الْفُرْقَان' قرار دے دیا تھا، یعنی حق و باطل کے درمیان فرق کر دینے والا دن۔ اُن کا خیال یہ تھا کہ فتح تو یقیناً ہماری ہوگی ہی، اِس پر ہم دنیا کو بتائیں گے کہ دیکھ لو، ثابت ہو گیا کہ خدا کی تائید کس کے ساتھ ہے اور اس طرح ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ایمان و اسلام کی رہی سہی ساکھ کو بھی ختم کر کے رکھ دیں گے۔ یہ دوسری بات ہے کہ "ما درچہ خیالیم و فلک درچہ خیال!" کے مصداق اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے واقعۃً اُسے 'یَوْمُ الْفُرْقَان' بنا دیا، اگرچہ کفّار کی خواہش یا توقع کے بالکل برعکس ــــــ اور دنیا نے دیکھ لیا کہ تین سو تیرہ بے سروسامان اور غیر مُسلّح یا نیم مُسلّح لوگوں کے ہاتھوں ایک ہزار سے زائد غرق آہن سورماؤں کا اس طرح پٹ جانا کہ ستّر لاشیں میدان میں چھوڑ کر بھاگ نکلے جن میں ابوجہل اور عتبہ بن ربیعہ جیسے سردار بھی شامل تھے، اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ خالق و مالکِ ارض و سما کی تائید یقیناً اہلِ ایمان کے ساتھ ہے!! گویا حق کا حق ہونا بھی ثابت ہو گیا اور باطل کا باطل ہونا بھی ــــــ اور یہی وہ مقصدِ معیّن تھا جس کے لیے حکمتِ خداوندی اور مشیّتِ ایزدی کے تحت آنحضورؐ اور اہلِ ایمان اپنے گھروں سے نکلے تھے!!

آیاتِ زیرِ درس میں لشکرِ اسلام میں شامل بعض مسلمانوں کے تردّد اور تذبذب کا نقشہ بھی کھینچا گیا ہے کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشاورۃً سوال کیا کہ ایک تو وہ قافلہ ہے جو مالِ تجارت سے

لہٰذا چھوٹا شام سے آرہا ہے اور اُس کے ساتھ محافظوں کی بہت تھوڑی سی نفری ہے اور دوسری طرف ایک مسلح لشکر ہے جو مکّہ سے آرہا ہے اور اللہ کا وعدہ ہے کہ اِن دونوں میں سے ایک پر تمھیں قابو حاصل ہو جائے گا تو بتاؤ تم کس کا قصد کرنا چاہتے ہو؟ تو بعض لوگوں نے قافلہ کا قصد کرنے کا مشورہ دیا کہ خطرہ کم از کم' اور متوقع مال بیش از بیش !! اِن لوگوں کے ابتدائی مشورے سے بھی یہ تو ظاہر ہو ہی گیا تھا کہ اعلاءِ کلمۃ اللہ اور ذوقِ شہادت کی بجائے رُجحان مال و اسبابِ دُنیوی کی جانب ہے لیکن آیات کے بَین السُّطُور سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس کے بعد بھی کہ آخری فیصلہ ہو گیا اور ظاہر ہو گیا کہ اللہ کی مشیّت اور اس کے رسولؐ کی منشا کیا ہے' کچھ لوگ اپنی بات پر مُصر ہی رہے اور مجبوراً لشکر کی جانب چلے بھی تو لرزاں و ترساں' جیسے کسی کو کشاں کشاں موت کی طرف دھکیلا جا رہا ہو۔!!

یہ گویا مَدَنی دور میں نفاق کے مرض کا نقطۂ آغاز تھا۔ اور چونکہ ایک تو ابھی اس بیماری کی ابتدا ہی ہوئی تھی اور دوسرے ان لوگوں کی تعداد اتنی کم تھی کہ نہ وہ فیصلہ بدلوا سکے نہ انہیں اِس کی ہی جُرأت ہوئی کہ آنحضورؐ اور اہلِ ایمان کا ساتھ چھوڑ کر واپس مدینے چلے جاتے لہٰذا بات اتنے ہی پر ختم ہو گئی' بلکہ اس قاعدۂ کُلیّہ کے تحت کہ اگر بندۂ مومن کسی نیک کام کا ارادہ کر لے تو خواہ کسی سبب سے اس کو عملاً پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی نوبت نہ آسکے نامۂ اعمال میں ایک نیکی کا اندراج ہو جاتا ہے' برعکس اس کے اگر کسی بدی کا ارادہ کیا جائے تو جب تک اُس کا ارتکاب نہ ہو نامۂ اعمال میں کچھ نہیں لکھا جاتا' چونکہ بعض مسلمانوں کی متذکرہ بالا نفسیاتی کیفیت صرف ایک وسوسۂ شیطانی کے درجے میں رہی اور اُس کا کوئی عملی ظہور نہیں ہوا' لہٰذا اس کی بناء پر اصحابِ بدرؓ کو کسی طعن یا تنقید کا ہدف نہیں بنایا جا سکتا! لیکن اگلے ہی سال غزوۂ احد کے موقع پر اِس مرض کا ظہور شدّت سے ہوا اور عبداللہ ابن اُبیّ عین وقت پر اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر واپس مدینے چلا آیا۔ آیاتِ زیرِ درس میں اللہ تعالیٰ نے اِس مرض کے آغاز کی نشان دہی اتنی وضاحت سے اِس لیے فرما دی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان آگاہ ہو جائیں اور باہر کے دشمنوں کے ساتھ ساتھ اِن اندرونی خطرات سے بھی خبردار رہیں !!

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝